آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ⁂ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - اگست ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ

"شیخ غلام احمد صاحب نومسلم"

صدر انجمن احمدیہ کے حکم سے واعظ مقرر کیے گئے ہیں۔ اور وہ سردست جالندھر۔ ہوشیارپور۔ راہوں اور کانگڑہ کے اضلاع میں دورہ کرنیکے لیے قادیان سے روانہ ہو گئے ہیں۔ انکو بموجب قواعد واعظین سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام مدات کے لیے چندہ فراہم کرنے اور جہاں انجمن احمدیہ قایم نہ ہو وہاں انجمن قایم کرنے کی اجازت ہے۔ جہاں شیخ صاحب جائیں وہاں کے احمدی احباب انکی اغراض کے پورا کرنے میں ہر طرح سے مدد کریں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

خلیفہ رشید الدین

اسسٹنٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ۔ ۱۵- اگست ۱۹۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

گذشتہ اشاعت میں اس مضمون کے متعلق یہانتک بحث ہو چکی ہے کہ مرتدین کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا فتویٰ کیا ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ قرآن شریف میں مرتدین کے قتل کا کوئی حکم نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی جہانتک معتبر روایتیں ملتی ہیں ایسے واقعات کہیں نہیں پائے جاتے جہاں کسی شخص کو محض ارتداد یعنی تبدیلی مذہب کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو۔ ہاں حدیث صحیح میں یہ ضرور آیا ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ۔ مگر یہ حکم ایسے وقت کا ہے جب مسلمانوں اور انکے مخالفین کے درمیان جنگوں کا سلسلہ اسطرح پر شروع تھا کہ گویا ہر وقت ہی حالت جنگ میں تھے اور ایسے وقت میں تبدیلی مذہب یعنی اسلام کو چھوڑنیکا نتیجہ یہ تھا کہ مرتد اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اور ایسی حالت میں قتل کے حکم کو ہر ایک دانشمند جائز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھے گا۔ ہم یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ یہ حکم قتل مرتد کا آنحضرت صلی اللہ وسلم نے مکی زندگی میں یا ابتدائی مدنی زندگی میں نہیں دیا۔ بلکہ اسوقت دیا جب جنگوں کا سلسلہ شروع

ہو چکا تھا۔ اور پھر اس حالت میں بھی عورتیں چونکہ جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں اس لیے وہ اس قتل کے حکم میں شامل نہ تھیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلب حقوق زوجیت وملکیت فتوائے قتل کی وساطت سے ارتداد کا نتیجہ تھا یعنی چونکہ مرتد کے لیے قتل کیے جانیکا حکم تھا اس لیے یا تو ضروری تھا کہ وہ قتل ہو جائے اور اس کے حقوق زوجیت اور ملکیت کا اسطرح موت کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور یا اگر وہ بھاگ کر یا دشمن سے ملکر اپنی جان بچالے تو اسپر وہی فتوائے قتل جاری ہو کر اس کو کالمقتول سمجھا جاوے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت سلب ہو جاویں۔ پس اگر موجودہ حالات کے ماتحت ہندوستان میں اسلامی شریعت کا فتویٰ مرتدین کے بارے میں دریافت کیا جاوے اور اس فتویٰ کی بنا قرآن اور حدیث پر رکھی جاوے جو اسلامی شریعت کے اصل ماخذ ہیں۔ تو چونکہ ان حالات میں ارتداد کی وجہ سے قتل کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حقوق زوجیت وملکیت بھی اس وجہ پر تلف نہیں ہو سکتے اور کسی وجہ پر ہو جائیں تو ہو جائیں۔ مثلاً اسلامی شریعت کی رو سے بعض وقت اختلاف مذہب کی وجہ سے دو شخصوں کا نکاح نہیں ہو سکتا تو ارتداد سے بھی اگر اسی قسم کے اختلافِ مذہب کی صورت پیدا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ مگر سوائے اس کے نہیں۔

یہ تو قرآن وحدیث کا منشا ہے مگر فاضل ججان چیف کورٹ پنجاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ کسی مقدمہ میں اسلامی شریعت کے اصل ماخذ یعنی قرآن واحادیث کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مقدمہ زیر بحث کے فیصلہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اسلامی قانون خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اپنی موجودہ صورت تک تدریجاً یہ قانون اسطرح پہنچا ہے کہ بڑے بڑے فاضل فقہار نے اجتہاد اور تفسیر کے خاص خاص طریقوں سے ان مسائل کا قرآن اور ان احادیث سے جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

اقوال و سنت کے متعلق ہیں استخراج کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک بادشاہ وقت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس قانون میں کوئی ترمیم کریں یا اسے کسی طرح تبدیل کریں۔ اس لیے یہ امر انگریزی عدالتوں کے اختیارات سے باہر ہے کہ وہ انہی طریقوں سے اصل عبارتوں اور ماخذوں سے کسی قانونی مسئلہ کا استخراج کریں" پس اب ہم اس بات پر غور کریں گے کہ کتب فقہ میں مرتدین کے لیے کیا احکام درج ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں مختلف اسلامی فرقوں یا مختلف اماموں یا علمار کے اجتہاد میں فرق ہے اور ایسی صورت میں انگریزی عدالتوں کا بھی یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اصل مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے قانون کے اصل ماخذوں یعنی قرآن شریف و حدیث پر غور کریں۔ مسلمانوں کا یہ اعتقاد تو ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام اور خدا کی طرف سے ہے لیکن جو مسئلہ قرآن کریم کے بعض الفاظ سے اپنے اجتہاد سے کوئی شخص نکالتا ہے اس میں غلطی کا ہو جانا بھی ممکن ہے اور اسے خدا کی طرف سے نہیں کہا جا سکتا۔ اسلامی اعتقاد کے مطابق لاتبدیل قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی صحیح حدیث اور سنت معتبرہ ہیں مگر جو رائے کسی آیت قرآنی یا کسی حدیث کے متعلق کسی مفسر یا مجتہد نے قایم کی ہو وہ لاتبدیل نہیں اور وہ غلط ہو سکتی ہے اور اس لیے اس کی تصیح بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود یہی بات کہ بعض مسائل میں علمار اور مجتہدین کا اختلاف ہے، بتاتی ہے کہ علمار اور مجتہدین کے اجتہاد اور رائیں منجانب اللہ نہیں سمجھنی چاہییں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف کوئی اختلاف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

قبل اس کے کہ ہم احکام مرتدین مندرجہ کتب فقہ پر غور کریں ایک اور ضروری امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانی ضروری ہے۔ فقہار یا علمائے اسلام نے جو ابتدا میں

مسائل شرعیہ کو بیان کیا یا مسائل کا استخراج قرآن و حدیث سو کیا تو خاص حالات کے ماتحت کیا۔ اور اس خصوصیت کا اثر ان تمام مسائل میں کھلا کھلا نظر آتا ہی۔ بالفاظ دیگر ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ یہ مسائل انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں حالانکہ احادیث نبوی میں ایسی وسعت اور عمومیت موجود ہے۔ اسکی وجہ ظاہر ہے ملکی طور پر اسلام کو ابتدا میں ہی غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور جس وقت فقہار کو مختلف قوانین تجویز کرنیکی ضرورت پیش آئی تو انکے سامنے اسلامی زندگی کا صرف ایک ہی پہلو تھا یعنی اہل اسلام کی حکومت اور انکا ملکی غلبہ۔ اور اس لیے اسی کے مطابق انکے سب قوانین بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض وقت انکو دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلقات میں غلطی لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی مدنی زندگی کا آخری حصہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مخالفین اسلام کے ساتھ جنگوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ اور اسوقت بعض احکام ایسے دیے گئے جو خاص انہی حالات کے ماتحت قابل عملدرآمد تھے۔ ان احکام کو بعض وقت دیگر حالات پر چسپاں کیا گیا حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دوسری قسم کی مثالیں موجود تھیں۔ پس اسلامی قانون جس صورت میں ابتدائی زمانہ میں مسلمان بادشاہوں کے ماتحت تجویز کیے گئے انکو مسلمانوں کی موجودہ حالت پر لگانے کے لیے ان دو باتوں کو جو اوپر بیان کی گئی ہیں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اب ہم فقہ کی سب سے مشہور کتاب اور انگریزی عدالتوں کے نزدیک بھی سب سے معتبر کتاب ہدایہ کو لیتے ہیں۔ کہ اس میں مرتدین کے متعلق کیا احکام دیے گئے ہیں یہ احکام باب احکام المرتدین میں مذکور ہیں۔ سب سے پہلے جو حکم مذکور ہے وہ قتل مرتد کا ہی یہ حکم ابن عباس کی حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ پر مبنی ہے۔ مگر جو کچھ اس باب میں لکھا گیا ہے۔ اور جو فرق مرد اور عورت کے درمیان رکھا گیا ہے اس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اما المرتدۃ فلا تقتل کی وجہ ہدایہ

میں ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ولنا ان النبی علیہ السلام نہی عن قتل النساء ولان الاصل تاخیر الاجزیۃ الی دار الآخرۃ اذ تعجیلہا یخل بمعنی الابتلاء وانما عدل عنہ دفعا لشر ناجز وھو الحراب ولا یتوجہ ذٰلک من النساء لعدم صلاحیۃ البنیۃ بخلاف الرجال خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ مرتدہ کے نہ قتل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کے قتل کرنیسے منع فرمایا ہے اور یہ بھی کہ اصل بات تو یہی ہے کہ عقاید کے معاملہ میں جزا اور سزا دار آخرت میں ہی مقدر ہے مگر مرتد کو سزائے قتل اس لیے دیجاتی ہے کہ فی الحال جو اس سے فساد اور شر پیدا ہونیوالا ہے وہ رک جائے اور وہ حراب یعنی جنگ کرنا ہے۔ اور عورتوں سے انکی بناوٹ میں ہی اسکی صلاحیت نہ ہونیکی وجہ سے اسکی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اسی موقعہ پر یہ حاشیہ بھی دیا ہے۔ فکذا یجب القتل بالردۃ لدفع شر الحرابۃ لاجزاء علی فعل الکفر لان جزاءہ اعظم عند اللہ فیختص بمن یاتی منہ الحرب وھو الرجل ولھذا نہی رسول اللہ عن قتل النساء وعللہ بانہ لم تکن تقاتل علی ما صح من الحدیث ولھذا قلنا لو کانت المرأۃ ذات رای وتبع تقتل لا لردتہا بل لانہا تسعی فی الارض بالفساد۔ اس حاشیہ میں بھی اس بات کو کھولکر بیان کیا ہے کہ اصل وجہ قتل مرتد کی اسکا ارتداد نہیں بلکہ جو شر اور فساد اس سے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے اسے قتل کر دینے کا حکم تھا۔ جیسا کہ حاشیہ مذکورہ کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ تقتل لا لردتہا بل لانہا تسعی فی الارض بالفساد پس جو وجہ مرتد اور مرتدہ میں فرق کی بیان کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرتد کے قتل کا صرف اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ اس سے جنگوں میں فریق مخالف کے ساتھ ملکر نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اور چونکہ عورت ایسا نقصان نہ پہنچا سکتی تھی اس لیے

اس کے قتل کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔ ہدایہ کی اس عبارت سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے جسکو مینے اس سے پہلے پیراگراف میں بیان کیا ہے۔ یعنی ایک طرف تو صاف اس بات کا بھی اقرار ہے جسکو ہم پہلے قرآن شریف اور حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ مرتد کے قتل کے حکم کی وجہ اس کا ارتداد نہیں بلکہ جنگوں میں جو اس کے سبب سے شر کا اندیشہ تھا اس کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف عورتوں کے سوا اس کے قتل کے حکم کو عام بھی کرنا چاہا ہے۔ یعنی اس حکم کو صرف ان صورتوں سے مخصوص نہیں رکھا جہاں واقعی فساد اور شرارت کا اندیشہ ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں کفار کے ساتھ جنگوں کی وجہ سے تھا بلکہ مرد کے مرتد ہونیکی صورت میں حکم کو عام کر دیا ہے حالانکہ وہی دلیل جس سے عورتوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو جہاں مرد کے مرتد ہونیسے کسی فساد اور شرارت کا اندیشہ نہیں جیسا کہ مثلاً اسوقت مسلمانوں کو جو برٹش گورنمنٹ کے نیچے رہتے ہیں ایسا اندیشہ نہیں وہاں مرتد مرد کے قتل کا بھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ اسلام کا اُسوقت میں غلبہ اور اسلام کی قہری حکومت تھی۔ جسکی وجہ سے ایک خاص حکم کو عام کر دیا گیا۔ حالانکہ اس کی خصوصیت کو خود ہی تسلیم بھی کیا ہے۔ یہ وہ غلطی ہے جسکا ذکر مینے اوپر کیا ہے۔

پس اسقدر تو ہدایہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرتدین کے قتل کی وجہ انکا ارتداد نہ تھا بلکہ انکے جنگوں میں شریک ہونے اور فساد اور شرارت کا اندیشہ اصل وجہ اس حکم کی تھی۔ اور یہ اسی نتیجہ کا مؤید ہے جسپر ہم اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں یعنی قرآن اور حدیث پر غور کرکے پہنچے ہیں۔ دوسرا حکم جو مرتدین کے بارہ میں ہدایہ کے باب احکام المرتدین میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مرتد کی ملک اپنے مال میں زائل ہو جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک تو بمجرد اسکے مرتد ہونیکے ہی ملک اسکی زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس مہلت کے بعد جو اسے اسلام لانیکے لیئے دیجاتی ہے وہ اسلام لے آوے تو اسکی ملکیت اپنے

مال میں پھر لوٹ آتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس مہلت کے عرصہ میں اسکی ملک زائل نہیں ہوتی۔ بہرصورت اسکی ملکیت قطعی طور پر اسوقت زائل ہو جاتی ہے جب اسپر قتل کا فیصلہ قطعی ہوکر یا اسے قتل کر دیا جاوے یا وہ بھاگ کر دار الحرب میں دشمن کے ساتھ جاملے اور یا حالت ارتداد میں ہی مرجاوے۔ ملکیت کے زائل ہونیکی بحث میں بھی ہدایہ میں پھر اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مجرد ارتداد مبیح قتل نہیں بلکہ مرتد کا حربی ہونا ضروری ہے۔ جیساکہ اس جملہ ولا قتل الا بالحراب میں اسکو تسلیم کیا گیا ہو جسکی تشریح حاشیہ میں یونکیگئی ہے کہ فکان القتل ھٰھنا مستلزما للحراب لان نفس الکفر لیس بمبیح للقتل حتی لا یقتل الا عمیٰ والمقعد والشیخ الفانی۔

ان تمام باتوں پر غور کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہو کہ باوجودیکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں مرتد کے قتل کو سوائے عورتوں کے ہرصورت میں جایز رکھا گیا ہے اور بعض اوقات بے احتیاطی سے ان احکام کو جو خاص حالات کے ماتحت دیے گئے تھے عام حالات پر لگایا گیا ہے مگر تاہم اس اصول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا کہ مرتد کے قتل کی وجہ خالی ارتداد نہیں بلکہ فساد یا شرارت کی قابلیت ہے جس کے روکنے کے لیے اسکا قتل کرنا جایز رکھا گیا ہے۔ اور ہم پہلے یہ دکھا چکے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت مرتدین کو قتل کرایا یا انکے قتل کیے جانیکا حکم دیا تو اس کی وجہ بھی محض ارتداد نہ تھی بلکہ فساد یا جنگ کے وقت دشمن کے ساتھ جاملنا یا اور کوئی ایسی وجہ تھی جسکی وجہ سے ارتداد سے علاوہ بھی ایسے شخص کا قتل جائز تھا۔ جو احکام ہدایہ سے ہم نے اوپر بیان کیے ہیں انہیں کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ارتداد بمنزلہ موت کے ہے لان الردۃ بمنزلۃ الموت اور جو شخص اس سارے باب کو غور سے پڑھیگا اسپر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جسقدر قوانین یا احکام اس باب میں بیان کیے گئے ہیں وہ

سب کے سب اس ایک ہی بات پر مبنی ہیں کہ مرتد کو مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے یعنی اگر وہ فی الواقع ارتداد کے بعد سزائے قتل سے بچ بھی جاوے تاہم اسکو قانوناً زندہ کے حکم میں نہیں رکھا گیا اور اس کے کُل حقوق ملکیت وغیرہ کو زائل شدہ قرار دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر جو احکام کتب فقہ میں مرتدین کے بارہ میں موجود ہیں وہ اسی صورت میں قرآن شریف یا حدیث میں کہیں موجود نہ پائے گئے تھے بلکہ وہ سب اسی بنا پر قایم کیے گئے ہیں کہ مرتد میت کے حکم میں ہے اور پھر جو حکم میت پر لگتا تھا وہی مرتد پر لگایا گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ احکام المرتدین کے باب میں مرتد یا مرتدہ کے نکاح فسخ ہو جانیکا کوئی ذکر نہیں (اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ہدایہ میں دوسرے موقع پر یہ ذکر ہے) مگر مرتد اگر طلاق دے تو اسے نافذ بالاتفاق قرار دیا گیا ہے۔

غرضکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں احکام المرتدین پر غور کرنے سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مرتد کے جسقدر حقوق کو زائل قرار دیا گیا ہے اس کی بنا صرف یہ ہے کہ قانونی طور پر اسے کالمیت قرار دیا گیا ہے کیونکہ قتل کا فتویٰ اسپر جاری ہو چکا ہے۔ گویا حکم قتل ایک بنیاد ہے۔ اور دوسرے حقوق کا زائل ہونا اسی بنیاد پر ایک عمارت ہے۔ یا یوں کہو کہ حقوق کے زائل ہو جانیکی وجہ حکم قتل ہے جو مرتد پر جاری ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی حالات ایسے ہوں اور ہم دکھا چکے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بڑے حصہ میں ایسے ہی حالات تھے جن کے ماتحت مرتد پر حکم قتل جاری نہ ہوا اور ہمارے فقہاء نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سوائے دفع فساد اور شر کے اندیشہ کے حکم قتل مرتد پر جاری نہیں ہوتا تو ضرور ہے کہ ان حالات کے نیچے دیگر حقوق بھی زائل نہ ہوں کیونکہ جب بنیاد ہی نہ ہوئی تو عمارت کہاں ہو گی اور جب سبب ہی موجود نہیں تو نتیجہ کسطرح پیدا ہو گا؟ اسی بات کو میں دوہرا کر بیان کرتا ہوں۔ کتب فقہ میں اس اصل کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مرتد کے قتل کی وجہ اسکا ارتداد یعنی تبدیل مذہب نہیں بلکہ کچھ

اور وجہ ہے اور پھر اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ مرتد کے حقوق کے زائل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ اسے مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے کیونکہ اسپر قتل کا حکم جاری ہوگیا ہے۔ ان اصول کو ماننے کے بعد اس نتیجہ سے ہم گریز نہیں کر سکتے کہ اگر کسیوقت اسلامی سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مرتد میں وہ وجہ موجود نہ ہو جس کی بناپر قتل کا حکم جاری ہوتا تھا تو نہ قتل کا حکم جاری ہوگا اور نہ ہی دوسرے حقوق مرتد کے زائل ہونگے جنکی بنا حکم قتل کے جاری ہونے پر تھی۔

اب جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اسے مدنظر رکھکر ہندوستان کی حالت پر غور کرو۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مرتد پر حکم قتل جاری نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی دراصل وہ حالات یہاں موجود ہیں جنکی بناپر نہ صرف قرآن و حدیث کے مطابق بلکہ اصول کتب فقہ کے مطابق بھی مرتد پر حکم قتل جاری ہوتا تھا۔ پس جو حقوق حکم قتل کے نتیجہ کے طور پر زائل ہوتے تھے وہ بھی یہاں زائل نہیں ہوسکتے۔ بالفاظ دیگر اگر انگریزی عدالتیں جو ہندوستان میں قایم ہیں ایک شخص کو جو اسلام سے مرتد ہو کر کسی دوسرے مذہب کو قبول کرتا ہو سزائے قتل کا مستحق قرار نہیں دیتیں تو انہیں یہ بھی حق حاصل نہیں کہ اسکے ارتداد کو دوسرے حقوق کے زائل کرنے میں موثر سمجھیں۔ کیونکہ جس بناپر مسلمان مقننین نے مرتد کے دوسرے حقوق کو زائل کیا تھا وہ بنا اسجگہ موجود نہیں۔ اسجگہ گورنمنٹ نہ تو مرتد پر واقعی حکم قتل جاری کرسکتی ہے اور نہ ہی اسکو قانونی طور پر کالمیت قرار دے سکتی ہے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں موجود نہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس بناپر اسکے حقوق زوجیت کو سلب کیا جاتا ہے۔ پس محض ارتداد یا تبدیلی مذہب حقوق زوجیت پر بذاتہ کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔ بلکہ اسکا اثر ایک اور رنگ میں پڑ سکتا ہے۔ اور وہ اسطرح پر کہ اسلامی شریعت کے رو سے ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے جایز نہیں۔ اور اسی طرح ایک مسلمان مرد کا نکاح کسی غیر مسلم عورت سے جایز نہیں بشرطیکہ وہ عورت ان غیر مسلموں میں سے نہ ہو جن پر

اہل کتاب کا لفظ اطلاق پاسکتا ہے۔ پس اس اصل کی بنا پر ارتداد کے وقت یہ دیکھا جاوے گا
کہ اگر خاوند نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے تو اسکا نکاح اسکی مسلمان بی بی سے باقی نہیں رہ
سکتا اور اگر عورت نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ نیا مذہب جو
اس نے اختیار کیا ہے وہ اہل کتاب کے مفہوم میں داخل تو نہیں اگر ہے تو نکاح نہیں ٹوٹا اور
اگر نہیں تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ ہاں ہماری رائے میں اس صورت میں یعنی بصورت ارتداد
زوجین کے حقوق متعلق بہ حفاظت اولاد پر ایک اثر پڑیگا اور وہ یہ کہ جو فریق مرتد ہوا ہے
وہ کسی صورت میں اولاد کا جایز ولی شریعت اسلامی کے رو سے نہیں ہو سکتا کیونکہ
نکاح شریعت اسلامی کے نیچے ہوا ہے اور اگر وہ نکاح احدالزوجین کی تبدیلی مذہب سے
فسخ ہو گیا ہے تو وہ اولاد جو شریعت اسلامی کے مطابق نکاح سے پیدا ہوئی ہے اسکی
ولایت بھی اس شریعت کی رو سے ہوگی۔ پس یہ وہ قانون ہے جس کے مطابق انگریزی
عدالتیں بروئے انصاف اسوقت فیصلہ کر سکتی ہیں اور ایسا قانون نہ صرف مسلمانوں
کی موجودہ حالت کے مطابق ہی ہوگا بلکہ شریعت اسلامی کے اصول کے مطابق اور اصل
احکام شرعی کے بھی زیادہ قریب ہوگا بہ نسبت ان احکام کے جو کتب فقہ میں مرتدین کے
متعلق درج ہیں اور جو اسلامی دنیا کی موجودہ حالت میں کسی ملک میں بھی قابل عملدرآمد
نہیں۔ بہر حال جہانتک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کو مجبوراً ان احکام کے ماتحت کرنا جو
اُسوقت وضع کیے گئے تھے جبکہ سلطنت اسلام کی تھی تقاضائے انصاف نہیں۔ ہم
اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی عدالتیں صرف اسی حد تک شریعت اسلامی پر کاربند
ہو سکتی ہیں جس حد تک انکے اپنے قوانین انہیں اجازت دیں اور اس لیے وہ مجبور ہیں کہ
بعض احکام کی پابندی کریں اور بعض کو چھوڑ دیں۔ اس حد تک کوئی شخص عدالت کو ملزم
نہیں کر سکتا مگر مرتدین کے احکام کی صورت بالکل الگ ہے۔ اسجگہ انگریزی عدالتوں نے
اس وجہ کو تو تسلیم نہیں کیا جس وجہ سے مرتد کے حقوق ملکیت کو کتب فقہ نے زائل کیا تھا

مگر جو نتایج اس سے پیدا ہوتے ہیں انپر ایک حد تک کاربند ہونا (ایک حد تک یعنے جو کہا ہے اسکی تشریح اگلے پیرے میں کرونگا) ایسا ضروری خیال کیا ہے کہ اسکے خلاف کو خلاف شریعت اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ اگر مرتد کے حقوق ملکیت کے زائل ہونے اور اسپر حکم قتل جاری ہونے میں کتب فقہ ہیں کوئی تعلق نہ دکھایا جاتا اور اس بات کو تسلیم نہ کیا جاتا کہ حکم قتل کے جاری ہونیکی وجہ سے ہی حقوق زائل ہوتے ہیں تو انگریزی عدالتیں حکم قتل کو رد کرکے حقوق کے زائل ہونیکو قایم رکھ سکتی تھیں مگر جس صورت کو اوپر کھولکر دکھایا گیا ہے اس صورت میں وجہ کا انکار کرکے نتیجہ کو قایم نہیں رکھا جا سکتا۔

لیکن انگریزی عدالتوں کے رویہ میں سب سے عجیب بات جو ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کتب فقہ کے احکام پر جو متعلق بہ حقوق زوجیت ہیں اسقدر زور دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انہی احکام کا باقی تمام قسم کے حقوق پر کچھ بھی اثر نہیں سمجھا جاتا۔ سب سے بڑی بات جسپر کتب فقہ نے زور دیا ہے وہ حقوق ملکیت کا زائل ہونا ہے۔ چنانچہ کسی کتاب کو کھولکر دیکھ لو حکم قتل کے بعد اسی بات پر زور دیا گیا ہے اور اسی کے متعلق زیادہ بحث کیگئی ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مرتد کو قانونی طور پر مردہ کے حکم میں رکھنے کا پہلا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے حقوق ملکیت زائل سمجھے جاویں۔ اب حالانکہ انگریزی عدالتیں مسلمانوں میں اسلامی قانون وراثت کے مطابق ہی فیصلہ کرتی ہیں مگر مرتد کے لیے جو قانون وراثت اسلام نے قرار دیا ہے اسکی خاک بھی پروا نہیں کیجاتی۔ اور نہ ہی مرتد کے حقوق ملکیت کو زائل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر عدالتیں کتب فقہ کے سارے احکام کو سوائے قتل کے جائز رکھتیں تو بھی کسی قدر قرین انصاف ہوتا مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان ساری احکام میں سے ایک نکاح کے فسخ ہونیکو ہی قایم رکھا گیا ہے۔ اس امتیاز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کتب فقہ کے احکام کے مطابق مرتد کی کل جائداد فوراً اس کے وارثوں کا حق ہوجاتی ہے اور ایسا ہی مرتد کسی کا وارث نہیں ہوسکتا۔ پھر باوجود اس کے کہ شریعت اسلام

سے احکام وراثت کے مقدمات میں لگائے جاتے ہیں مرتد کی وراثت یا اس کے حقوق وراثت میں احکام متعلقہ کچھ اثر خیال کیا جاتا ہے۔ اور آجاکر صرف اس ایک بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مرتد کے حقوق و فرائض زوجیت باقی نہیں رہتے اصل منشار احکام مرتدین کا تو اسکو سزا دینا تھا مگر انگریزی عدالتیں سزا کی بجائے اسے کچھ فایدہ پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔ کیونکہ حقوق زوجیت کا زائل ہونا تو الگ بات تھی یہاں تو زوجیت کے فرائض سے آزادی دیجاتی ہے۔ دراصل جو عملدرآمد انگریزی عدالتوں کا ہے وہ حقوق کا زائل کرنا نہیں بلکہ حقوق کا دینا ہے۔ مثلاً ایک عورت مرتد ہوکر اپنے خاوند سے گویا طلاق حاصل کر لیتی ہے جو اسکو کسی اور طرح پہ نہ مل سکتی تھی۔ اسکا بگڑا کچھ نہیں کوئی حق زائل نہیں ہوا بلکہ اسکو ایک یہ فایدہ یا حق حاصل ہوگیا کہ ایک شخص کی قید نکاح سے آزاد ہوکر اب کسی دوسرے سے نکاح کرنیکی حقدار ہو گئی۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ مقدمہ زیر بحث میں ججوں نے کہا ہے کہ اگر یہ مسلمانوں پہ سختی ہے تو اسکا الزام خود شریعت اسلامی یا احکام مندرجہ کتب فقہ پر ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بلکہ جھوٹ ہے۔ اسلامی شریعت یا احکام مندرجہ کتب فقہ کے منشار کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا انکا منشار مرتد کے لیے سزا تجویز کرنیکا تھا یا اسکو کچھ فایدہ پہنچانیکا۔ پس جس صورت میں انگریزی عدالتیں اس بات کو جائز سمجھتی ہیں کہ شریعت اسلامی میں اسقدر تصرف کرلیں کہ جسقدر امور متعلق سزا کے یا حقوق ملکیت وغیرہ کے زائل ہونیکے تھے انکو رد کر دیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مرتد کے فایدہ کی صورت کو باقی رکھ لیں؟ وہ کونسا امر مانع ہے کہ اسقدر بڑے حصہ کو رد کر کے اس ایک چھوٹی سی بات کو باقی چھوڑ دیا جاوے جس سے ارتداد میں روک پیدا ہونیکی بجائے باریک طور پر ایک تحریک موجود ہے۔ بفرض محال ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ انگریزی عدالتوں کے نزدیک حقوق ملکیت وغیرہ کا زائل ہونا حکم قتل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ مگر فاضل ججوں نے اس امر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ حقوق مرتد کو زائل

کرتے کرتے انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کو تلف کرنا کس بنا پر شروع کیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے جب خاوند مسلمان رہتا ہے اور عورت مرتد ہوتی ہے تو عورت کے ارتداد کا نتیجہ انگریزی عدالتوں کے رویہ کے مطابق یہ نہ ہوا کہ عورت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حق بھی زائل ہو بلکہ اس کے خاوند کا حق زائل ہوا کہ اسکی عورت اس سے چھین لی گئی۔ کیا یہ بھی کسی کتاب فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ مرتدہ کا کوئی حق زائل نہ ہو بلکہ عورت کے ارتداد کی سزا اس کے مسلمان خاوند کو ملے۔ ہم حیران ہیں کہ فاضل ججوں نے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کیا ہے؟

مختصراً ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کس انصاف کس قانون کس شریعت کی رو سے انگریزی عدالتیں شریعت اسلامی کے سارے احکام متعلقہ مرتدین منسوخ قرار دیکر ایک نکاح پر ارتداد کا اثر ڈالنے کی مجاز ہیں اور وہ بھی اسطرح پر کہ ارتداد کی سزا مرتد کو نہ ملے بلکہ ایک دوسرے بے گناہ شخص کے حقوق زائل کیے جاویں۔ اسکا جواب سوائے اسکے کچھ نہیں دیا جائیگا کہ انگریزی عدالتوں کا ہندوستان میں آجتک یہی عملدرآمد رہا ہے کہ انہوں نے تمام احکام شرعیہ متعلقہ مرتدین مندرجہ کتب فقہ کو رد کر کے صرف ایک نکاح پر ارتداد کے اثر کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کہ اب وہ اپنے پُرانے رویہ کو بدل نہیں سکتیں مگر اسکو بھی بفرض محال تسلیم کر کے ہم یہ کہیں گے کہ جس صورت میں خود مسلمانوں میں اس امر میں اختلاف موجود ہے کہ آیا عورت کے ارتداد کا نتیجہ وہی ہوتا ہے یا نہیں یعنی اس سے اسی طرح نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں جیسا مرد کے ارتداد سے۔ تو اس صورت میں انگریزی عدالتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ اختلافی راؤں میں سے کونسی رائے اس ملک کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔ اس مقدمہ میں جس کا ذکر ہمنے ابتدا میں کیا ہے فاضل ججان چیف کورٹ نے فیصلہ دیتے وقت خود اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اس معاملہ میں فقہا کے درمیان اختلاف موجود ہے مگر اس اختلاف پر غور کرنے سے یا کم از کم مقابل کی رائے کو وقعت دینے سے دو وجوہ پر انکار کیا ہے اول یہ کہ عورت کے ارتداد اور مرد کے ارتداد سے حقوق زوجیت پر ایک سا ہی اثر واقع ہونا نکلے

رائے غالب ہے یعنی زیادہ لوگوں نے قبول کی ہے بہ نسبت اس کی مقابل رائے کے اور کہ خود امام ابو حنیفہ کی بھی یہی رائے ہے اور دوسرے یہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان میں حنفی مسلمان مقابل رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور کہ انگریزی عدالتوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ قانون کیا ہونا چاہیئے بلکہ انہوں نے قانون کو صرف واقعات پیش آمدہ پر لگانا ہے جیسا کہ وہ قانون ملک میں مروج ہو۔

ان میں سے پہلی وجہ بالکل کمزور ہے۔ زیادہ آدمیوں کے ایک رائے کو قبول کرنے سے کسی عقلمند کے نزدیک اسکی صحت پر ایسی مہر نہیں لگ جاتی کہ اسکی مقابل رائے پر کوئی غور ہی نہ کیا جاوے۔ علاوہ ازیں جس اصل کو قایم کر کے وہ رائے قایم کی گئی ہے جسپر چیف کورٹ نے عمل کیا ہے۔ وہ اصل خود دوسری رائے کا مؤید ہے جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ مخالف راؤں میں سے ایک ضرور ہے کہ غلط ہو اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ غلط کونسی ہے اس سے بڑھکر قطعی فیصلہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ جن اصول کو دونوں فریق نے قبول کیا ہے ان کے رو سے کونسی رائے غلط ٹھہرتی ہے۔ سو اگر اس راہ پر چلکر فاضل ججان چیف کورٹ فیصلہ کرتے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے جسکو اب انہوں نے اپنے فیصلہ میں رد کیا ہے۔ مگر انہوں نے ہماری رائے میں ایک غلط راہ کو اختیار کیا یعنی رائے دینے والوں کی تعداد کی کمی بیشی پر اسکا فیصلہ کیا۔

دوسری وجہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان کے علماء دونوں مخالف راؤں میں سے کس رائے کو قبول کرتے ہیں۔ اس پہلو سے کمزور ہے کہ ایسے اختلاف اور بے اطمینانی کی صورت میں جہاں قیاس ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے علمائے اسلام مقابل کی رائے کو ہی صحیح مانتے ہوں۔ چیف کورٹ کا فرض تھا کہ فیصلہ دینے سے پہلے اس کے متعلق شہادتیں اور فتوے لیتی۔ یہ قیاس کر لینا کہ جو کچھ فتاوی عالمگیری میں لکھا گیا ہے وہی صحیح ہے اور اس کے برخلاف ہند کے مسلمان علمائے

کوئی رائے نہیں رکھ سکتے بالکل غلط ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں لاہور کی ایک انجمن بنام انجمن مستشار العلماء نے چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور دوسری رائے کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ بہرحال اگر فریقین سے یہ غلطی ہو گئی کہ انہوں نے خود علماء کے فتوے حاصل کر کے پیش نہیں کیے تو بھی چیف کورٹ کا یہ فرض تھا کہ پوری تحقیق کرنے کے بعد کوئی فیصلہ دیا جاتا۔ جب عدالت کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ضروری تھا کہ علمائے ہند کی رائے دیکھی جاتی کہ وہ کس طرف کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس سے پہلے فیصلے اسی کے مد ہیں ایک غلطی کی تائید میں دوسری غلطی کو پیش کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس فیصلے پر شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ چیف کورٹ کی رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک یہی رائے مسلّم ہے۔

ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قانون کی اصلیت تک پہنچنے کی ضرورت نہیں معقول بات نہیں۔ ضروری تھا کہ خواہ ایک طرف رائے کا غلبہ ہی تھا (اور اختلاف کی صورت میں ایک نہ ایک طرف غلبہ ہو گا ہی) صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مسئلہ کی اصلیت دریافت کی جاتی۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا کہ کونسی رائے حالات موجودہ کے ماتحت اس قوم کے لیے جس کے لیے قانون بنایا جاتا ہے انصاف اور نرمی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ یہ اعتراض کہ عورت اور مرد کے ارتداد سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان میں فرق کرنا عورتوں پر ایک گونہ ظلم ہے کسی وقعت کے قابل نہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں میں خاوند کو ایک قسم کا اختیار عورت پر دیا گیا ہے اور ان کے متعلق جو قوانین ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں بھی اگر عورت زنا کرے تو خاوند طلاق کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے مگر خاوند کے صرف زنا کی وجہ پر عورت طلاق کے لیے نالش نہیں کر سکتی۔ پس ایسے فرق جب اور جگہ موجود ہیں تو اسلامی شریعت پر اس وجہ پر

اعتراض کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

چیف کورٹ کا فیصلہ ایک ایسا دروازہ کھولتا ہے جس سے اہل اسلام کی مشکلات بیحد بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً زنا کے مقدمہ میں ایک عورت کہہ سکتی ہے کہ اس نے مذہب بدل لیا ہوا ہے۔ ایسا ہی اغوا کے مقدموں میں بھی یہی جواب ہو سکتا ہے۔ اور بازو دعوے کے مقدموں میں تو ایسے جواب کی صحت کا خود چیف کورٹ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ مسلمان گھروں کے لیے کونسی امن کی صورت باقی ہے۔ کیا فیصلہ کرتے وقت فاضل ججان چیف کورٹ کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ غور کرتے کہ وہ ایک قوم کو کن مشکلات میں ڈال رہے ہیں۔ اور کس طرح ان کے گھروں کے امن کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔

ایسے مقدمات اس فیصلہ کے بعد اور بھی ہوئے ہیں اور چیف کورٹ کے فیصلہ نے بہت سی ناجائز کارروائیوں کی جرأت بعض لوگوں کو دلا دی ہے۔ تبدیل مذہب کے معاملہ میں چیف کورٹ کو یہ خیال رکھنا ضروری تھا کہ ایسا قانون نہ بنایا جائے کہ تبدیل مذہب حقوق کے تلف کرنے کے لیے بہانہ ہو جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ایسے مقدمات کے پھر اعلیٰ عدالتوں تک پہنچنے پر اس فیصلہ کی اصلاح کی جاوے گی یا گورنمنٹ ہند اپنی مجلس واضع قوانین کے ذریعہ سے اس فیصلہ کی غلطی کا علاج کر کے مسلمانوں پر احسان کریگی۔
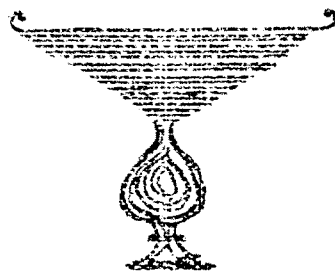
جاپان میں اسلام

قریب دو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ اخبارو ں میں پہلے اس بات کا چرچا شروع ہوا کہ جاپان اسلام قبول کرنیکے لیے تیار ہے وہاں مسلمان واعظین بھیجنے چاہییں۔ اور وہاں ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہونیوالی ہے جسکی غرض یہ ہوگی کہ تمام مذاہب کے مقابلہ پر اس مذہب کو جسے وہ سب سے اعلیٰ سمجھے اپنا شاہی مذہب قرار دے۔ پھر تھوڑے ہی دن بعد ان سب باتوں کی بعض اخبارو ں میں تردید کی گئی اور یہ لکھا گیا کہ نہ جاپان اسلام کی قبولیت کی طرف کوئی میلان رکھتا ہے نہ ہی کوئی مذہبی کانفرنس ہوئی ہے یا ہونیوالی ہے اور نہ ہی وہاں واعظین اسلام بھیجنے کی کوئی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا عزم اور ہمت اس زمانہ میں اسی حد تک محدود ہو رہا ہے کہ تھوڑی سی رکاوٹ سے ایک امر کو جسے اہم سمجھکر شروع کیا ہو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں سُنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا انکے بعد جن باہمت لوگوں نے دین اسلام کو افریقہ یورپ اور چین تک پھیلایا وہ پہلے اس بات کی تحقیق کر لیا کرتے تھے کہ فلاں ملک اسلام قبول کرنے کو تیار ہے یا نہیں۔ وہ جب عزم کر کے ایک طرف رُخ کر لیتے تھے تو پھر مشکلات کے کیسے ہی پہاڑ انکے سامنے کیوں نہ آجائیں اُنکی کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ایک آدمی نے تنہا ایسے لوگوں کے درمیان جاکر اسلام پھیلایا جہاں پہلے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے چاروں کونوں میں ہم مسلمانوں کا نام پاتے ہیں اور دُور دُور کے جزیروں اور بیابانی ملکوں میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ مگر اس وقت اپنے اپنے اشتغال سے کہاں فرصت ہے کہ مسلمان اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ کریں اور اسے ایک فرض سمجھکر تمام مشکلات کا مقابلہ کریں۔

حال میں ایک کتاب بنام الرحلۃ الیابانیہ یعنی سفر جاپان مصر سے شائع ہوئی ہے جس کے مصنف علی احمد جرجاوی صاحب جریدۂ الارشاد ہیں۔ اس فاضل مصنف نے اس کتاب میں اپنے سفر جاپان کے حالات درج کیے ہیں جو انھوں نے ۱۹۰۶ء میں کیا۔ اور اس میں اس مذہبی کانفرنس کا ذکر بھی کیا ہے جسکی تردید ہندوستان کے بعض اخبارات نے کی تھی۔ مصنف مذکور لکھتا ہے کہ وہ پہلا مصری سیاح تھا جس نے سرزمین جاپان میں قدم رکھا۔ ہنغ کونغ (ہانگ کانگ) میں پہنچکر مصنف کی ملاقات سید سلیمان مشہور چینی مسلمان سے ہوئی جو مصنف کے ہمراہ جاپان میں بھی گیا۔ کسی قدر حالات مسلمانان چین کے بھی اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ چین میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ بتائی گئی ہے اگرچہ بعض نے سات کروڑ مسلمان چین میں لکھے ہیں اور ایک عیسائی واعظ نے ساڑھے پانچ کروڑ بتائے ہیں۔ چین کے مسلمانوں کی عام حالت بہ نسبت دیگر چینیوں کے بہت اچھی ہے وہ افیون وغیرہ منشیات سے پرہیز کرتے ہیں۔ انکے لباس اور ظاہری صورت میں دوسرے چینی لوگوں سے کوئی فرق نہیں جس سے کوئی شخص دیکھکر تمیز کر سکے کہ یہ مسلمان ہے یا بدھ مذہب کا پیرو۔ یہ مسلمان چین کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں بڑے شہروں اور قصبوں میں وہ عموماً الگ محلوں میں رہتے ہیں۔ وہ ان عام فسادوں اور فتنوں میں شریک نہیں ہوتے جو حکومت کے خلاف دوسرے چینی لوگ کرتے رہتے ہیں اور گورنمنٹ کا پورا احترام کرتے ہیں۔ چینی مسلمان اپنے آپ کو اہل چین کے اشرف لوگوں میں سے شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ معاملات میں بھی وہ پورا اعتبار اپنے ہی ہم مذہبوں پر کر سکتے ہیں۔ وہ عموماً صفائی پسند ہیں اور اپنی عبادات وغیرہ میں دوسرے لوگوں سے جن میں کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائی بھی شامل ہیں دکھ بھی اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں میں اکثر اہل صنعت ہیں اور انکی صنعت ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جس پر چینی قدیم سے فخر کرتے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت میں وہ بڑے بڑے عہدے بھی رکھتے ہیں مگر اصلی میلان ان کا

صنعت کی طرف ہی ہے۔

مصنف بڑے افسوس سے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ چینی مسلمان مذہب اسلام سے بہت ناواقف ہیں اور اعلیٰ طبقہ کے علماء ان کے اندر نہیں پائے جاتے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر افسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی بہتری کے لیے کچھ نہیں کرتے۔

ہانگ کانگ سے سوار ہو کر مصنف ٹوکیو میں پہنچا۔ جہاں مسلمانان ہند میں سے ایک عالم کی ملاقات ہوئی اور اسطرح تینوں نے اکٹھے ہو کر مذہب اسلام پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان لیکچروں کو جاپانی زبان میں ادا کرنیکے لیے شروع میں ہی ایک فاضل جاپانی بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ جس کا نام حاذنیف تھا۔ اس شخص کی ملاقات اتفاقاً ان واعظین سے ہوگئی اور انکے حالات معلوم ہونے پر اسے تحقیق اسلام کا شوق پیدا ہوگیا۔ چونکہ وہ انگریزی بھی جانتا تھا اس لیے نہایت آسانی سے گفتگو ہوتی رہی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام لے آیا اور اسی کی مدد سے یہ لوگ اپنی باتیں جاپانیوں کو سناتے رہے۔ مصنف کتاب کے بیان کے مطابق انکے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ جاپانیوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں بہت سے حاکم۔ تاجر اور بڑی بڑی حیثیت کے آدمی تھے مصنف نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جاپانی اسلام قبول کرنیکے لیے بہت تیار ہیں اور اگر انہیں کچھ مدت اور رہنے کا اتفاق ہوتا تو بہت سے اور لوگ اسلام قبول کر لیتے چونکہ مختلف اخباروں اور مختلف لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو جاپانی اب عیسائی مذہب کے شائق نہیں رہے اور دوسری طرف وہ اپنے آبائی مذہب پر بھی قائم نہیں بلکہ ایک سچے مذہب کی تلاش میں ہیں لہذا جو کچھ مصنف کتاب نے اسلام قبول کرنیوالوں کی تعداد کے متعلق لکھا ہے اس کا صحیح ہونا بعید از قیاس نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

مصنف کتاب نے اس مذہبی جلسہ کا ذکر بھی کیا ہے جس میں مختلف مذہب کے حامی میکاڈو شاہ جاپان نے خود مختلف ممالک سے بلائے تھے۔ اس جلسہ کے ممبروں کی تعداد ۱۲۰ بتائی ہے اور مصنف لکھتا ہے کہ میں خود بھی اس میں موجود تھا اس مجلس کے دو اجلاس ہوئے جن میں پریزیڈنٹ خود شاہ جاپان تھے۔ وکیل اسلام نے اسلام کی خوبیوں کو بہت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا اور اگرچہ جیسا کہ مصنف بیان کرتا ہے اس کے لیکچر کا اثر بہت عمدہ ہوا۔ مگر اس کانفرنس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ جاپان کے لیے کوئی اور شاہی مذہب تجویز کیا گیا ہو۔ کتاب میں اور بھی بہت سے دلچسپ حالات جاپان اور دوسرے شہروں کے لکھے ہیں جہاں جہاں مصنف ٹھہرا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر بعض انگریزی اخباروں کی رائیں

نوٹ:۔ ذیل میں ہم چند مشہور انگریزی اخباروں کی رائے جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر ظاہر کی ہے درج کرتے ہیں۔ ان میں کئی ایک غلط بیانیاں بھی ہیں جیسے عمر کے متعلق۔ یا تعداد مریدین کے متعلق۔ مگر ہم اس جگہ انکی تردید نہیں کرتے کیونکہ نہ تو گنجایش ہی ہے۔ اور نہ ہی ان راؤں کے درج کرنے سے ہمارا سوائے اسکے کچھ اور مطلب ہے کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو کہ دوسرے لوگوں کے خیالات ہمارے متعلق کیا ہیں۔ اخبار ٹائمز لنڈن کے مضمون کی بنا چونکہ ڈاکٹر سوولڈ ایک پادری کے رسالہ پر ہے۔ لہٰذا اس میں غلط بیانی زیادہ ہے۔ اس کی تردید کی ضرورت ہوئی تو ہم کسی دوسرے وقت کریں گے۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۔ مرزا غلام احمد خاں جو قادیان ضلع گورداسپور کے

رہنے والے تھے اور جو منگل گذشتہ کو لاہور میں ۶۹ سال کی عمر میں وفات پا گئے ایک مشہور معروف مسلمان واعظ اور قادیانی فرقہ کے بانی تھے جس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب جنکا بہت ادب اور عزت کی جاتی تھی بہت سال ہوئے گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے مگر انہوں نے اس ملازمت سے اس لیے استعفا دیدیا کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ تن مذہبی اور تعلیم کے کام میں لگادیں۔ مرزا صاحب جاگیر دار اور زمین کے مالک تھے اور انہوں نے گورنمنٹ کے قانون اور انتظام کی تائید میں اپنا نیک اثر اپنے ہم مذہبوں پر ڈالا۔ لاہور میں وہ ایک صلح کا پیغام لیکر آئے تھے اور انکی غرض ایک ایسی سوسائٹی قایم کرنیکی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح اور اتحاد کو بڑھائے۔ اپنی وفات سے دو دن پہلے انہوں نے لاہور کے چند معزز ہندوؤں سے ملاقات کی اور اپنی تجویز کو عملدرآمد میں لانیکے لیے انکی مدد چاہی"

پایونیر۔ الہ آباد "اگر پچھلے زمانے کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اسوقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزون معلوم نہ ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمد خاں قادیانی معلوم ہوتے تھے جن کی وفات حال میں ہی پنجاب میں اپنے وطن میں واقع ہوئی ہے۔ چند سال گذشتہ سے مرزا صاحب نے بڑھی ہوئی عمر کے اثر کے نیچے خاموشی اختیار کرلی تھی لیکن ایک وقت تھا کہ انکا نام لوگوں میں اسی طرح مشہور تھا جس طرح ڈاکٹر ڈوئی کا ہے۔ ہم یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ انکی عالمانہ حیثیت پر کوئی رائے لگا سکیں۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ انکی جماعت ایک وقت بہت بھاری جماعت ہوگئی تھی جو انکی ذاتی اثر اور تعلیم کا نتیجہ تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق یا اپنے دعویٰ کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔ اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ انپر الہام الٰہی نازل ہوتا ہے اور کہ انکو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ مگر وہ مسیح سے سات یا آٹھ صدیاں پہلے پیدا ہونیکی بجائے انیسویں (۱۹۰۰) صدی عیسوی میں

پیدا ہوئے اور اپنے گرد و پیش کے حالات کے مطابق ہی انہوں نے اپنا کام بھی کیا بجائے اس کے کہ وہ جنگلوں میں چلے جاتے (جیسا گذشتہ انبیاء کے قصوں میں موجود ہے) اور کسی شجرہ تقطین کے نیچے یا کسی غار میں اپنا مقام بناتے انہوں نے اخباروں کے ذریعہ اپنا کام شروع کیا اور مروجہ مباحثات میں حصہ لیا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی نیک رعیت اور وفادار حامی رہے۔ مگر بعض اوقات انکی فطرت کا دوسرا پہلو غالب آجاتا تھا جیسا کہ اس موقع پر ہوا جب انہوں نے حیرت زدہ بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا کہ نشانوں میں انکا مقابلہ کرے جیسا کہ الیاس (نبی) نے بعل کے پروہتوں کو دیا تھا۔ اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ تا فیصلہ ہو کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ مگر اُسوقت بھی مرزا صاحب اس بات کے لیے تیار تھے کہ حالات موجودہ کے مطابق جس طرح پادری صاحب چاہیں اپنا اطمینان اس بات کا کریں کہ نشان کے دکھانے میں کوئی دھوکہ یا فریب استعمال نہیں کیا گیا۔...... وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد صاحب سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں بہ نسبت ایک ایسے شخص کے جیسا آجکل کا کنٹربری (انگلستان) کا لاٹ پادری۔ اگر ارنسٹ رینن (مشہور فرانسیسی مورخ) گذشتہ بیس سال کے اندر ہندوستان میں ہوتا تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے عجیب و غریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی۔ مگر ہمارے محدود اور تنگ خیالات ایسے مقابلہ سے رُکتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا مذہبی لٹریچر ایسا تنگ اور محدود ہے۔ بہر حال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو ہر روز دنیا میں نہیں آیا کرتے انپر سلامتی ہو۔

ٹایمز لنڈن ۔ مرزا صاحب جو کہ ستر سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے قصبہ قادیان ضلع گورداسپور کے مالک یا جاگیردار تھے اور مغل خاندان میں سے تھے اور انکے آبا و اجداد بابر کی عہد حکومت میں سمرقند سے یہاں آئے تھے۔ پہلے وہ گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے لیکن کئی سال ہوئے

اس غرض سے گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ دی تھی کہ تا اپنی پوری توجہ اپنے دعاوی کی اشاعت میں لگا سکیں۔ لاہور کے پادری گرسوولڈ نے سلسلہ احمدیہ کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی تحقیق کو ایک کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے جس میں وہ مرزا صاحب کو شکل و شباہت میں معزز اپنے وجود میں ایک خاص کشش رکھنے والے اور قوائے ذہنی میں تیز بیان کرتے ہیں۔ ایک چھاپہ خانہ اور ایک ڈپو قایم کر کے اس عجیب اعتقادات کے معلم نے بہت سی مذہبی کتابیں لکھیں اور دو اخباریں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں اپنے اعتقادات کی تائید میں جاری کیں۔ انکا یہ دعویٰ تھا کہ اگرچہ یسوع کو فلسطین میں صلیب پر چڑھایا گیا تھا مگر وہ وہاں فوت نہیں ہوئے بلکہ مشرق کی طرف سفر کر کے آخر کار شہر سری نگر دار الخلافہ کشمیر میں رحلت فرما ہوئے۔ مسیح کے بار بار ظہور کے عقیدہ کو اختیار کر کے انہوں نے یہ تعلیم دی کہ جس طرح یسوع مسیح موسوی تھا میں محمدی مسیح ہوں اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تا اس سچے دین کو از سر نو دنیا میں قایم کروں جسے یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں نے بگاڑ دیا ہے۔ انکا دعویٰ تھا کہ انکی بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور یسوع سے بھی بڑھکر عجیب نشانات وہ دکھا چکے ہیں۔ عام مسلمان اس عقیدہ کو بدعت اور کفر قرار دیتے تھے مگر مرزا صاحب کے پیرووں میں صرف ان پڑھ لوگ ہی نہ تھے۔ بلکہ بہت سے آدمی اعلیٰ حیثیت اور اعلیٰ تعلیم والے بھی تھے۔

مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ انکے ستر یا اسی ہزار پیرو ہیں مبالغہ آمیز بیان ہے اور اگرچہ مردم شماری میں جو تعداد دکھائی گئی ہے وہ غالباً اصل تعداد سے بہت کم تھی مگر ڈاکٹر گرسولڈ کا تخمینہ جو سرکاری رپورٹ کے جلد ہی بعد کیا گیا ہے جس میں پیرووں کی کل تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے بخل سے کیا گیا معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں گذشتہ دو تین سال میں جو تحریکات ہندوستان میں رہی ہیں وہ صرف پولیٹیکل نہ تھیں بلکہ تمدنی اور مذہبی رنگ بھی رکھتی تھیں۔ اور اغلب ہے کہ ان سالوں میں قادیانی فرقہ نے بہت کچھ ترقی کی ہو گی۔ اگر اب جو

اسکا ہی گذر گیا ہے یہ فرقہ زوال پذیر ہو کر نابود ہو جائیگا تو اسکا افسوس نہ مسلمان قوم کو ہوگا اور نہ ہی گورنمنٹ کو۔ اگرچہ مرزا صاحب اس بات پر بہت زور دیتے تھے اور اس بیان میں وہ سچے بھی تھے کہ اس فرقہ کی تعلیمات اور عقاید انگریزی حکومت کی پوری وفاداری کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں تاہم ایسے نئے نئے فرقوں کی حالت میں دونوں امکان موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ یا وہ اندرونی جھگڑوں اور خونریزی کا باعث ہو جائیں اور یا پولیٹیکل شورش کا موجب بنجائیں۔ یہ امر کہ یہ فرقہ بالکل صلح پسند اور پابند قانون رہا ہے اس کے بانی کے لیے باعث فخر ہے جن کے متعلق ڈاکٹر گرسوولڈ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفتری نہ تھے بلکہ فریب خوردہ تھے۔ اپنی وفات کے وقت وہ لاہور میں ایک سوسائٹی قایم کرنا چاہتے تھے جس کی غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح اور اتحاد کا بڑھانا تھا

مہدی آخر زمان

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء وسید المرسلین وعلی خلفائہ الراشدین المھدیین۔

امابعد۔ آخر زمانہ میں ایک حامی دین اسلام کے آنے کی پیشگوئی دنیا بھر میں مشہور ہے جسکا لقب مہدی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جسمیں کوئی مدعی مہدویت پیدا نہ ہوا ہو۔ مہدی ایک پاک اور مقدس نام ہے۔ اس کے معنے ہیں ہدایت یافتہ۔ لیکن اس بات کو دیکھکر سخت درد پہنچتا ہے کہ جاہل لوگوں نے اور پر جوش ملاؤں نے مہدی موعود کو ایسے تاریک رنگ میں پیش کیا ہے اور مدعیان مہدویت نے ایسی خونریزی کی کارروائیاں کی ہیں کہ اب مہدی کا لفظ ایک خوفناک لفظ سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ حکومتیں بھی اس نام کو

سنکر ڈر جاتی ہیں اور وہ جو ایک پاکیزہ اور پیارا نام تھا اب ایک خونی نام سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی واعظ اور ملاں مہدی کو ایک خونریز سپاہی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں جو دنیا میں خون کی ندیاں بہادیگا۔ ان کے نزدیک اسلام کے پھیلانے کا سوائے تلوار کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ افسوس اس پاک نام سے بڑی بے انصافی کی گئی ہے۔ اور ایک معصوم اور پُر امن نام ایک خون کے پیاسے مردم کُش ظالم کو دیا گیا ہے۔ میرا مدعا اس مضمون کے لکھنے سے یہ ہے کہ ان غلطیوں کو صاف کیا جاوے جنہوں نے اس پاک نام کی حقیقت کو چھپا دیا ہے اور سچے اور اصل مہدی کو ناظرین کے آگے پیش کیا جاوے۔

(۱) احادیث متعلقہ مہدی

مہدی پر بحث کرتے ہوئے پہلی مشکل جو انسان کو پیش آتی ہے یہ ہے کہ مہدی کے متعلق ایک کثیر تعداد ایسی احادیث اور روایات کی ہے جو اعتبار کے درجہ سے بہت گری ہوئی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے بڑی محنت سے مہدی کے متعلق احادیث اخبار و آثار کو اپنی کتاب حجج الکرامہ میں جمع کیا ہے اور انکی صحت کے متعلق بحث کرتے ہوئے صفحہ ۲۶۵ پر لکھتا ہے۔ لیکن شک نیست دراں کہ اسانید اکثر طرق وے معلول است بغفلت رجال اسانید و سوء حفظ یا ضعف یا سوء رائے وغیر ذالک۔

پھر اسی صفحہ پر صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔ ومجموع ایں روایات ضعیفہ ومطعونہ افادہ صحت وشہادت وجود وے در آخر زمان میکنند اگر خالص از آنہا از نقد اقل قلیل باشد۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدیق حسن کی رائے میں یقینی طور پر جو امر احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ مہدی ضرور آئیگا۔ کوئی تفصیلی امر یقینی اور قطعی طور پر قبل از وقت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ فاضل مصنف اسی رائے کو اور جگہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۳۸۴ پر لکھتا ہے۔ اما شک نیست کہ مجموع اخبار و آثار کہ در بارہ وجود وے و وقائع و حوادث وفتن وفتوح وغیرہا وارد شدہ افادہ

صحت ظہور و سے میکند کیف ما کان۔ یعنی جسقدر روایات مہدی موعود کے آنے اور اُس کے زمانہ کے واقعات اور فتوحات کے متعلق ہیں اُن سے اتنا فایدہ ہوتا ہے کہ مہدی ظاہر ہوگا جس رنگ میں اس کا ظہور ہو۔ یعنی احادیث و روایات سے ظہور کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس رنگ میں ظاہر ہوگا۔

ایک فاضل مصنف کے مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ احادیث و آثار متعلقہ مہدی کس حد تک معتبر ہیں۔ نیز ان احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے متعلق اس امر سے بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صحیحین میں مہدی کا کوئی باب نہیں رکھا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان احادیث کو اس درجہ صحت پر نہیں پایا کہ انکو اپنی تصانیف میں جگہ دیتے۔ جس پایہ و مقام کے یہ ہر دو امام ہیں وہ سب پر روشن ہے۔ ان کے سکوت کی ایک اور غرض بھی معلوم ہوتی ہے جو میں آگے جا کر انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا۔ صرف راویوں کے لحاظ سے ہی احادیث مہدی مجروح نہیں بلکہ خود احادیث اور روایات بھی اس امر کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ انکو بغیر تامل کے قبول کر لیا جاوے۔ کیونکہ وہ اختلافات سے بھری ہوئی ہیں۔ مہدی کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ اس کے نسب کے متعلق اختلاف ہے۔ اُس کے مقام و زمان ظہور کے متعلق اختلاف ہے۔ اور اُس کے زمانہ خلافت کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ احادیث ذیل میں درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ احادیث میں کسقدر اختلاف ہے۔ (۱) احادیث درباره اسم مہدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذٰلك الیوم حتی یبعث فیه رجلاً منی ومن اہل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی۔ (ابو داؤد)۔ یعنی اگر دنیا کی عمر میں ایک دن بھی باقی رہ گیا۔ خدا تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دیگا یہانتک کہ وہ مبعوث فرماوے ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے

جسکا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن کی طرف دیکھکر فرمایا۔ ان ابنی ھذا سید کما سماہ النبی سیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم یشبھنی فی الخلق ولا فی الخلق (ابوداؤد)

ان احادیث اور ایسی ہی اور احادیث کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی موعود کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اسی طرح بعض روایات میں مہدی موعود کا نام احمد بن عبداللہ رکھا گیا ہے۔ اقتراب الساعہ صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے۔ آسمان سے ایک پکارنیوالا کہیگا۔ ایہا الناس ان اللہ قد قطع عنکم الجبارین والمنافقین واشیاعھم وولاکم خیر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فالحقوہ بمکہ فانہ المھدی واسمہ احمد بن عبداللہ۔

پھر۔ مہدی کا نام عیسیٰ بھی رکھا گیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا مہدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ وحاکم) شیعہ کا اعتقاد ہے کہ مہدی کے باپ کا نام عبداللہ نہیں ہے بلکہ حسن ہے۔

(۲) احادیث دربارہ نسب مہدی۔ اس امر میں بھی احادیث وروایات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں اُسکو فاطمہ کی اولاد بیان کیا گیا ہے۔ ابوداؤد ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من عترتی من ولد فاطمہ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ کے کسی لڑکے کی اولاد میں سے ہوگا۔ اس بارے میں پھر روایتوں میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے بعض میں اُسکو حسن کی اولاد میں سے بیان کیا گیا ہے اور بعض میں حسین کی اولاد سے۔ میں ابھی ایک روایت درج کرچکا ہوں جس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے حسن کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسکو کہا اور اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہو گا جسکا نام تمھارے نبی کا نام ہو گا اور جسکے باپ کا نام تمھارے نبی کے باپ کا نام ہو گا۔ وہ تمھارے نبی سے خُلق میں مشابہ ہو گا مگر خَلق یعنی ظاہری شکل میں مشابہ نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کی ایک روایت یہ ہے ابن عمرو نے کہا یخرج رجل من ولد حسن من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یھدھا واتخذ فیھا طرقا (اخرجہ تمام فی فوایدہ وابن عساکر فی تاریخہ) یعنی حسن کی اولاد سے مشرق کی طرف سے ایک شخص نکلے گا جو ایسا عالی ہمت ہو گا کہ اگر اس کے سامنے پہاڑ آجائیں تو انکو بھی ہٹا کر انہیں سے رستہ بنا لیگا۔ ان روایات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی حسن کی اولاد میں سے ہو گا۔

ان روایات کے مقابل پر ایسی روایتیں بھی ہیں جنمیں مہدی کو حسین کی اولاد میں سے ظاہر کیا گیا ہے نہ حسن کی اولاد سے۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے ان المھدی من ولد الحسین (رواہ ابن عساکر عن جابر) یعنی مہدی حسین کی اولاد سے ہو گا۔ شیعہ ایسی روایات پر زور دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حسین کی اولاد سے ہو گا۔ بعض روایات میں حسن و حسین دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔ طبرانی وابونعیم علی ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو فرمایا والذی بعثنی بالحق ان منھما یعنی من الحسن والحسین مھدی ھذہ الامۃ۔ یعنی اس اُمت کا مہدی حسن و حسین دونوں کی اولاد ہو گا۔

اگر یہ اختلاف حسن و حسین پر ہی بس ہو جاتا تب بھی خیر تھی لیکن مہدی کی نسب کے متعلق اور بھی روایات ہیں جو مہدی کو بنی فاطمہ اور حسن یا حسین کی اولاد سے نہیں ٹھہراتیں بلکہ اُس کے لیے اور ہی نسب تجویز کرتی ہیں۔ مثلاً بہت سی ایسی احادیث ہیں جنمیں مہدی کا بنی عباس سے ہونا بیان کیا گیا ہے نعیم بن حماد کعب احبار سے روایت کرتا ہے کہ المھدی من ولد عباس۔ یعنی مہدی موعود عباس کی اولاد سے ہو گا۔ دار قطنی

اور ابن عساکر حضرت عثمان بن عفان سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من ولد عباس عمی۔ یعنی مہدی میرے چچا عباس کی اولاد سے ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا۔ یا عباس ان اللہ بدأ بی ھٰذا الامر ویختمہ بغلام من ولدك یملاھا عدلاً کما ملئت جوراً۔ (اخرجہ الدارقطنی والخطیب وابن عساکر) ایسا ہی اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ مثلاً ابن عساکر میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا یا عم اما شعرت ان المھدی من ولدك۔ یعنی اے چچا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مہدی تیری اولاد میں سے ہوگا پھر ایک اور حدیث ابن عساکر اور دیگر کتب میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ابشرك یا عم ان من ذریتك الاصفیاء ومن عترتك الخلفاء ومنك المھدی فی اٰخر الزمان۔ یعنی تیری اولاد میں سے کئی پاک لوگ اور خلفاء ہونگے اور مہدی آخر الزمان بھی تیری ہی اولاد میں سے ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس مہدی بنو امیہ میں سے بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۵ پر وہب بن منبہ کا قول درج کرتے ہیں کہ ان کان فی ھٰذہٖ الامۃ مھدی فھو عمر بن عبد العزیز۔ یعنی اگر اس اُمت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبد العزیز ہے جو بنو امیہ میں ایک بزرگ اور صالح بادشاہ تھے۔ ایسا ہی ایک روایت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ وہ روایت یہ ہے اخرج ابن عساکر کان عمر بن خطاب یقول من ولدہ رجل بوجہ شجۃ یملأ الارض عدلاً۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے چہرہ پر نشان ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیگا۔ اور زمین کو عدل سے بھر دینا صفات مہدی میں سے ہے

غرض مہدی موعود کی نسب کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ حسن کی اولاد سے ہوگا۔ دوم یہ کہ وہ حسین کی اولاد سے ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ بنی عباس میں سے ہوگا۔ چہارم یہ کہ وہ بنو امیہ میں سے تھا اور وہ عمر بن عبدالعزیز تھا۔ پنجم یہ کہ وہ حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہوگا۔

ان احادیث کے علاوہ جن میں مہدی کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں مہدی کا افراد اُمّت میں سے ایک فرد ہونا بیان کیا گیا ہے اور کسی خاص خاندان کی تعیین نہیں کی گئی بلکہ صرف ایک اُمتی ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے جسکے الفاظ یہ ہیں ابوسعید خدری بیان کرتا ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا یخرج رجل من امتی یقول بسنتی ینزل اللہ عز وجل لہ القطر من السماء و تخرج الارض برکتھا وتملأ الارض منہ قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا یملک سبع سنین۔ ایسی ہی اور احادیث بھی جن میں مہدی کی نسبت صرف من اُمّتی یا فی اُمّتی کا لفظ آیا ہے اور مہدی کو عام اُمّتی بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابوسعید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابشرکم بالمھدی یبعث فی امتی علی اختلاف من الناس وزلازل فیملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا رضی اللہ عنہ وساکن السماء وساکن الارض الخ۔ کذا فی المیزان۔ یعنی مَیں تمکو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری اُمّت میں مبعوث کیا جائیگا جب لوگوں میں اختلافات ہوں گے اور زمین میں زلزلے آویں گے اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھردیگا اور خدا اور آسمان کے فرشتے اور زمین کے لوگ اُس سے خوش ہوں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ صرف بعض بڑے بڑے خاندانوں نے ہی دعویٰ نہیں کیا کہ

مہدی ہم میں سے ہوگا بلکہ مذہبی فرقوں نے بھی ایسے ہی دعوے پیش کیے ہیں شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی شیعہ مذہب کا حامی ہوگا اور سُنّیوں کو تہ تیغ کردے گا۔ معتزلہ مہدی کے وجود سے ہی منکر ہیں۔ حنفی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا پیرو ہوگا۔ وہابی حنفیوں کا یہ دعویٰ سُنکر سخت طیش میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہدی فرقہ اہل حدیث کا سخت حامی ہوگا۔ ان فرقوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ حدیث الغاشیہ کے مصنف کی عبارت جو فرقہ اہل حدیث میں سے ہے۔ میں ذیل میں درج کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ کسطرح اسلام کے مختلف فرقے مہدی کے متعلق باہم جھگڑتے ہیں۔ حدیث الغاشیہ کا مصنف یہ لکھتا ہے " بعض جہلہ حنفیہ نے یہ گپ لگائی ہے کہ عیسیٰ مقلد مذہب حنفیہ ہونگے علی قاری نے اسکا خوب ردّ کیا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اشاعہ میں بھی تقلید عیسیٰ و مہدی بر مذہب حنفی کے لیے نہایت غصہ ظاہر کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ سوا قرآن و حدیث کے کسی مذہب کے موافق حکم نہ دیں گے ..... اگر ہم اُسوقت تک جیئے کہ مہدی آجاویں یا عیسیٰ علیہ السلام اُتریں تو ہم ان حضرات کو سلام کریں گے کہ اب کہو تم سچے تھے یا ہم۔ انکو بھی اسوقت آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائیگا۔" (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۵۲)

(۳) اختلاف احادیث دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی۔

جو احادیث و روایات دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی آئی ہیں اُنہیں بھی ایسا ہی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا احادیث و روایات دربارہ نسب مہدی میں اختلاف ہے مندرجہ ذیل مختلف مقامات مہدی کے مولد یا جائے ظہور بیان کیے گئے ہیں۔

اوّل۔ ایک قریہ کدعہ نامی۔ اس بارہ میں جو حدیث آئی ہے اُسکو میں انشاء اللہ آگے جاکر بیان کروں گا۔

دوم۔ مدینہ مولد اور مکہ جائے خروج۔ چنانچہ ابو داؤد میں ایک لمبی حدیث ہے جسمیں لکھا ہے

یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اھل المدینة ھاربا الی مکة فیخرجونه وھو کارہ فیبایعونه بین الرکن و المقام الحدیث یعنی ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا اُسوقت ایک شخص مدینہ سے بھاگ کر نکلیگا اور مکہ کی طرف جائے گا وہاں لوگ اُسکی مرضی کے برخلاف رکن ومقام کے درمیان بیعت کرینگے“۔ اسی حدیث کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی کا مولد مدینہ ہے اور جائے ظہور مکہ معظمہ۔ چنانچہ صدیق حسن خاں اس حدیث کو درج کرکے لکھتا ہے مراد بایں رجل مہدی است وحدیث دال است برآنکہ برآمدن او ہم از مدینہ باشد چنانکہ تولدش آنجا بود پس مصیر بسوئے ایں حدیث واجب است و باقی اقوال ساقط وظہورش بالاتفاق درمکہ مکرمہ باشد۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۱۸۱)

سوم۔ مکہ میں ہی مہدی پیدا ہوگا اور مکہ ہی میں ظاہر ہوگا۔ علی متقی نے اپنے رسالہ مہدی میں لکھا ہے بدانکہ در قصص الانبیاء و درکتاب اخبار است از آیات واحادیث و اولیاء اللہ وارد شدہ کہ از سیادت حسین باشد ونام پدر او موافق حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم باشد یعنی ابن عبد اللہ و تولد او درمکہ معظمہ باشد وہماں جا مرگ خود بمیرند۔

چہارم۔ المغرب میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ قرطبی در تذکرہ خود گفتہ کہ مولدش ببلاد مغرب است و وے از آنجا براہ دریا بیاید۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۳۴۵

پنجم۔ بسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے و برآمدن وے از مسجد اقصیٰ ہم گفتہ اند۔

ششم۔ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ ابونعیم و ابن عساکر عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل من ولد حسن بن علی من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یھدھا و یتخذ فیھا طرقا۔

ہفتم۔ خراسان کی طرف سے مہدی ظاہر ہوگا۔ مسند احمد میں ہے۔ اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو تو انکی طرف جاؤ کیونکہ انہیں خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے ظاہر ہے کہ مہدی کے مولد اور جائے ظہور کے بارہ میں کسقدر اختلاف ہے۔

(۴) روایات دربارہ عہد خلافت مہدی۔ مدت خلافت میں سخت اختلاف ہے چنانچہ مہدی کی خلافت کیلیے مندرجہ ذیل مختلف عرصے بیان کیے گئے ہیں۔

۵ سال۔ ۷ سال۔ ۹ سال۔ ۱۹ سال چند ماہ۔ ۲۰ سال۔ ۲۴ سال۔ ۳۰ سال۔ ۴۰ سال

ان مختلف روایتوں کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ میں سے مندرجہ ذیل عبارت کافی ہوگی۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔

روایات در مدت ملک مہدی مختلف آمدہ۔ در بعض پنج یا ہفت یا نہ بتردید آمدہ و در بعض ہفت و در بعض اگر کم ماند پنج سال و اگر دیر ماند نہ سال و در بعض نوزدہ سال و چند ماہ و در بعض بست سال و در بعض بست و چہار سال و در بعض سی سال و در بعض چہل سال و نہ سال منجملہ ایں چہل سال با روم مصالحہ ماند۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۰)

(۵) احادیث دربارہ زمان ظہور مہدی۔ اگرچہ عام طور پر احادیث کی بناء پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی وقت میں ظاہر ہوں گے مگر ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسط زمانہ میں پیدا ہوگا چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ لن تھلک امۃ انا فی اولھا والمھدی فی اوسطھا وعیسیٰ فی اٰخرھا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۴۔

جسقدر میں اوپر لکھ آیا ہوں اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث
در بارہ مہدی میں بہت اختلاف ہے۔ نہ صرف راویوں کے لحاظ سے اکثر انہیں مجروح
ہیں بلکہ انکے اختلافات ظاہر کر رہے ہیں کہ سب حدیثیں ماننے کے قابل نہیں یا
یوں کہو کہ سب کو مہدی موعود پر چسپاں کرنا غلطی ہے۔

غازی مہدی کا اعتقاد

نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے علماء ایسے عقائد کی عام طور پر اشاعت
کرتے ہیں جنکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور علاوہ اس کے وہ عقائد اسلام
کے لیے مضر اور امن عامہ میں خلل انداز ہیں۔ وہ روایات جنکی بنا پر ایک غازی
مہدی کا وعظ کیا جاتا ہے بالکل پایۂ ثبوت سے گری ہوئی ہیں یا ایسی ہیں جن کے
غلط معنے کیے گئے ہیں یا ایسی ہیں جو مہدی موعود کے متعلق نہیں بلکہ اور لوگوں کے
متعلق ہیں اور اُنکو غلطی سے مہدی موعود پر لگایا گیا ہے پُر جوش ملاؤں کی کارروائی
قابل درگذر ہوتی اگر وہ روایتیں صحیح ہوتیں جن کی بنا پر یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ مہدی تلوار
کے ساتھ ظاہر ہوگا اور دنیا میں خون کی ندیاں بہا دے گا۔ مگر جب دیکھا جاوے کہ
ایسا وعظ بالکل غیر صحیح روایتوں پر کیا جاتا ہے اور ہندوستان کے علماء مقر ہیں
کہ یہ روایتیں معتبر نہیں تو اسوقت ہم مجبور ہیں کہ ایسے واعظوں کو قصور وار ٹھہرائیں
جو باوجود علم ضعف روایات عوام الناس کے دل میں یہ بٹھاتے ہیں کہ ایک خونی
مہدی آئیگا اور ہر ایک شخص کو جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریگا تہ تیغ کریگا۔ ایسے لوگ
اسلام کے لیے عار ہیں اور اسلام جیسے پاک اور روشن مذہب کے چہرہ پر خون کا داغ
لگاتے ہیں اور عوام الناس میں غلط خیالات بٹھا کر جہاد کا سبق دیتے ہیں اور امن عامہ
میں خلل انداز اور گورنمنٹ کے لیے بے حد تکلیف اور بے فائدہ اخراجات کا آئے
دن موجب ہوتے ہیں۔ اگر ایسے واعظوں کی نیت صاف ہوتی تو اُنکو چاہیے تھا کہ

صاف طور پر عام لوگوں کو کہدیتے کہ کوئی پختہ روایت اور صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ مہدی تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلائیگا بلکہ برخلاف اسکے ایسی احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سونیوالوں کو بھی نہیں جگائیگا اور نہ خون بہائیگا اگر یہ واعظ اسلام کے خیر خواہ اور محسن گورنمنٹ کے بہی خواہ ہوتے تو انکو چاہیے تھا کہ اشتہاروں اور رسالوں کے ذریعہ شائع کرتے کہ خونی مہدی کا خیال ایک غلط خیال ہے جسکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور اسطرح لوگوں کے جوشوں کو ٹھنڈا کرتے اور غلط خیالات اُنکے دلوں سے نکالتے۔ اس صورت میں وہ صرف محسن گورنمنٹ سے ہی بھلا نہ کرتے بلکہ خود اسلام کی ایک خدمت کرتے اور ایک بدنما داغ کو مٹاتے اور اسلام اور قرآن مجید کی اصل تعلیم کے ظاہر ہونے کا ذریعہ بنتے۔ مگر اس بات کو ظاہر کرنیکے لیے کہ کس قسم کے خیالات عوام الناس میں بے دھڑک پھیلائے جاتے ہیں میں ذیل میں اقتراب الساعہ سے کچھ عبارت نقل کرتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ کتاب صدیق حسن خاں کے بیٹے کی طرف منسوب کیجاتی ہے مگر عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اس فاضل مصنف کی اپنی تصنیف ہے صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے "خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلائیں گے جو نہ مانے گا مار ڈالا جاوے گا" پھر صفحہ ۹۶ پر لکھا ہے۔ "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کرینگے۔ مشرق سے مغرب تک لے لینگے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر اُنکے سامنے لاوینگے۔۔۔۔ پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اُس وقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے انہی کو اُن کے روبرو لیجائیں گے۔ ایسے ہی خیالات صدیق حسن خاں نے حجج الکرامہ میں ظاہر کیے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲۳

میں پہلے حجج الکرامہ کے حوالے سے دکھا آیا ہوں کہ صدیق حسن خاں مانتا ہے کہ کل روایات دربارہ ظہور و حوادث و فتوحات مہدی سے یقینی طور پر صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی آئیگا کیف ما کان یعنی تفصیل کی تعیین نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف تو صدیق حسن لکھتا ہے کہ کیف ما کان یعنی مہدی آئے گا جس صورت میں آئے دوسری طرف بڑے وثوق سے یہ شائع کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار لے کر ظاہر ہوگا اور اس دن اہل دنیا کے لیے ایک مصیبت کا دن ہوگا۔ لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھی جاوے گی اور جو اسلام کا اقرار نہیں کرے گا اس کا سر اتار دیا جاوے گا۔ اگر ایسے اعتقادات صحیح احادیث کی بنا پر شائع کیے جاتے پھر بھی یہ لوگ قابل معافی ہوتے مگر ایک طرف تو ان احادیث اور روایات کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں دوسری طرف اسلام کو بدنام کرنے والے عقائد انہی غیر معتبر احادیث اور روایات کی بنا پر شائع کیے جاتے ہیں۔ جبتک خونی مہدی کا عقیدہ دلوں سے نہ نکالا جاوے تب تک جہاد بالسیف کا عقیدہ دور نہیں ہوسکتا۔ خفیہ طور پر محمد حسین بٹالوی کی طرح گورنمنٹ کے کان میں کہنا کہ خونی مہدی کی حدیثیں سب کی سب نادرست اور غلط ہیں کچھ مفید نہیں جب تک زور کے ساتھ عام طور پر عوام الناس کے سامنے خونی مہدی کے عقیدہ کا ابطال نہ کیا جاوے اور ان غلطیوں سے عوام الناس کے دلوں کو پاک نہ کیا جاوے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ خونی مہدی کے عقیدہ پر مضمون کے آخر میں بحث کروں گا فی الحال اسی پر بس کرتا ہوں۔ باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ

(نامہ نگار)

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص توجہ دلاتے ہیں۔

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کیلیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ۔ جس میں نہایت پُرزور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرتؐ کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا سپے ر کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا جیبی تقطیع قیمت ۲ ر۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۲۲۲ صفحے قیمت ۸ ر۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۲ء میں عصمت انبیاء پر۔ جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ۔ وحی الٰہی کی ضرورت۔ جلد ۱۹۰۵ء میں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی پر۔ جلد ۱۹۰۶ء میں۔ سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۱۹۰۷ء میں۔ قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرأتوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عہ ر۔ (۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ ر۔ جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۸ ر۔ نور القرآن حصہ اول ۲ ر حصہ دوم ۴ ر۔ ابطال الوہیت مسیح

(۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب ہیں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ ر۔ نور الدین ترک اسلام کے ۱۱۴ سوالوں کا لاجواب جواب ہے۔ جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ ر۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ ر۔ نسیم دعوت ۳ ر۔ (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ ر حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ ر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲ ر

(۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفی ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحو نکی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے۔ باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کیلیے ازبس ضروری ہے حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عہ ر حصہ دوم ۴۰۰ صفحے قیمت ۱۲ ر (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے، مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ میں ہے فی حصہ ا ر (۹) مکتوبات و خطبات محمدیہ آنحضرت۔